المقام المحمود

يعني

تفسير

حضرت مولانا عبيد الله سندهي

جزء عم (سورة العلق)

مع ترجمه شيخ الهند مولانا محمود الحسن

پيش لفظ ڈاكٹر عبدالواحد هاليپوٹہ

تزين ڈاكٹر غلام مصطفيٰ خان

طبع سنڌ يونيورسٽي پريس حيدرآباد سنڌ پاكستان (1959)

(مينيجر اعجاز محمد صديقي)

(Muhammad Umar Chand has prepared this page covering only Surah Al-ʻAlaq (Chapter 96) at the moment, Insha Allah, the entire book will follow with Taufeeq from Allah Subahanahoo wa-ta-Taʼaalaa)

المقام المحمود

یعنی

تفسیر

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی

جزء عم

مع ترجمہ

شیخ الہند مولانا محمودالحسن

پیش لفظ

ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوٹہ

ایم - اے - (بمبئی)، ڈی - فِل (آکسفورڈ)

پروفیسر و صدر شعبۂ دین و تمدن اسلام

سندھ یونیورسٹی

تزیین

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ایم - اے، ایل ایل - بی، پی - ایچ - ڈی، ڈی - لٹ،

پروفیسر و صدر شعبۂ اردو - سندھ یونیورسٹی

طبع

سندھ یونیورسٹی پریس - حیدرآباد سندھ

پاکستان

سورۃ العلق مکیۃ وھی تسع عشرۃ آیۃ

سورہ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (١) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (٢) اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھ اور تیرا رب

الْاَکْرَمُ (٣) الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (٤) عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (٥) کَلَّآ اِنَّ

بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا کوئی نہیں

الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی (٦) اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (٧) اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی (٨)

آدمی سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا، بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی (٩) عَبْدًا اِذَا صَلّٰی (١٠) اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ

تو نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر ہوتا

عَلَی الْھُدٰٓی (١١) اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی (١٢) اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی (١٣)

نیک راہ پر یا سکھلاتا ڈر کے کام بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (١٤) کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِیَۃِ (١٥)

یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر

نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ (١٦) فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ (١٧) سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ (١٨) کَلَّا

کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار اب بلا لیوے اپنے مجلس والوں کو ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو

لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (١٩)

کوئی نہیں، مت مان اس کا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو

السجدۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

سورۃ العلق مکیۃ

(یہ سورۃ آزادیٔ عالم کا نسخہ ہے)

قرآن مجید کے نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ اور اب فقط نتیجہ نکالنا ہی باقی رہ گیا ہے۔ اب اس فصل میں نتیجہ نکالا جائے گا۔ یعنی اب اس فصل میں قرآن مجید کے تمام خلاصہ کو بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں یہ سورۃ العلق سب سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس سورت سے پہلے جس قدر قرآن ہے اور اس میں جس قدر تعلیم دی گئی ہے اس تمام تعلیم کو اب کتاب کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بطور نتیجہ کے دعویٰ کا اعادہ ہے۔

قرآن مجید انسانیت سے بحث کرتا ہے تو انسانیت کو اس علم کا موضوع کہا جائے گا۔ موضوع کا مقرر کرنا اور اس کی جنس و فصل بیان کر کے اس کی تعریف کرنی ضروری ہے اور دوسری بحث ہے قرآن مجید میں الہام کی۔ تو الہام کی تعریف، اس کے فوائد اور اس کی طرف انسانیت کا احتیاج بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اس پہلی سورت میں دونوں باتیں نہایت واضح طریقہ سے بیان کی گئی ہیں۔

آیت (۱ تا ۵) **اقرء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق** الآیات:- اس سورت کی پہلی پانچ آیات اکٹھی نازل ہوئیں۔ یہ پانچوں آیات، انسانیت اور الہام کی تفسیر ہیں۔ شریعت الٰہی میں انسانیت کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور جس چیز کے احوال سے علم میں بحث ہو اس چیز کو علمی اصطلاح میں موضوع علم کہا جاتا ہے۔

آیت (۱) **اقرء باسم ربک الذی خلق** *:- جس اللہ نے پیدا کیا ہے اس کا نام لے کر پڑھنا شروع کر۔ جو چیز کائنات میں سے ہے اس کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس بارے میں تمام انسانیت متفق ہے اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے:-

---

* تربیت کا مادہ تعلیم سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک شی سے دوسری شی تیار کرنے کی قوت بھی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ خوبی تعلیم کی ہے۔

انہیں کو نہیں سمجھ سکتا۔ انسان کا ایک حصہ ہے بدن، اور گوشت کے ٹکڑے سے انسان کو پیدا کیا۔ اب وہ گوشت کا ٹکڑا کب پیدا ہوا، اس پر اس جگہ بحث نہیں ہے۔ مادیات کے خلاصہ میں سے خلاصہ نکلا ہوا گوشت کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس میں سے انسان پیدا کیا جاتا ہے۔ تو انسان بھی عام مخلوقات میں شریک ہوا اور یہ بھی اس جنس کا ایک نوعی فرد ہے۔ تو جیسے تمام مخلوقات کا تعلق اپنے خالق سے ہے ویسے ان کا تعلق بھی ثابت ہوا اور اگر خلق میں عام مخلوقات کا بیان کر کے پھر انسان کی خلقت بیان کرنے سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام مخلوقات کا خلاصہ در خلاصہ انسان ہے تو یہ اشرف المخلوقات ہوا، اور اس کی ذمہ داری بڑھ گئی۔

آیت (۳ تا ۵) اقرأ و ربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم*:- انسان کو پیدا کرنا یہ کرم تھا۔ اور اس کو عالم بنانا اور تمام انواع کے علم کا اس میں جمع کر دینا یہ اس کے کرم میں ایک اضافہ ہے۔ انسان اجتماعیت سے ترقی کرتا ہے اور اجتماعی علم قلم سے محفوظ رہتا ہے۔ پہلے لوگوں نے جو کچھ کیا اپنے تجربات اور اپنی تاریخ قلم بند کر دی۔ اس کے بعد جو دوسری قوم آئی اس نے پہلی تحقیقات اور تاریخی باتوں سے فائدہ اٹھایا اور اس طرح اپنی تاریخ بھی قلم بند کر دی، تو انسان میں قلم (نوشت و خواند) سے علمی اجتماع پیدا ہوتا ہے۔

آیت (۵) و علم الانسان ما لم یعلم:- اب آئندہ کے واسطے جن چیزوں کو انسان نہیں جانتا تھا ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم دیا۔ قلم کا استعمال نہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم ہی کچھ زیادہ جانتی تھی۔ تو اب انسانیت کا تمام علم جو ترقی پر پہنچ چکا ہے، اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھانا منظور ہو تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی نہیں سکھلا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کا ایک تو یہ اثر ہے کہ جس قوم میں قلم کا استعمال محفوظ ہے وہ لوگ کتابیں پڑھ کر عالم ہو جاتے ہیں اور جس قوم میں یہ بات نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ اور طریقہ سے تعلیم دیتا ہے۔ اب یہ واقعہ ہے کہ اور طریقہ (قلم کے سوائے) جس سے علم دیا جاتا ہے وہ حظیرۃ القدس سے اتصال ہے۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ جس فرشتہ کے ذریعہ سے انسان کو

---

* پہلے اقرأ میں پرائمری تعلیم تھی۔ اب اعلیٰ تعلیم کے لیے کہا جاتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم سے بڑی عزت اور سخاوت انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو تربیت دینے والے کی لوگ عزت کرتے ہیں اور علم کا خاصہ سخاوت، جواں مردی اور ہمت عالی ہے۔ علم بالقلم:- اب علم کی تقسیم کی جاتی ہے ایک پرانا نوشتہ اور دوسرا علم الہامی جو نبوت کے ذریعہ نازل ہوتا ہے۔



(۱) انسانیت کا وہ حصہ جو کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے وہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عام مخلوقات کا پیدا کرنے والا مانتا ہے۔ (۲) ترقی یافتہ انسانیت کا جو حصہ مذہب سے تعلق نہیں رکھتا اور عقل فلسفے کا قائل ہے وہ بھی بالاتفاق اس تمام کائنات کا ایک مرکز متعین کرتے ہیں کہ جس سے تمام وجود عالم ظاہر ہوا، اور اسی کو تمام چیزوں کا خالق کہتے ہیں۔ اس سے آگے اگر تفصیل سے یہ بیان کیا جائے کہ خلق کس طرح پیدا ہوئی تو اس میں (۱) اور (۲) میں کچھ اختلافات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فلسفیوں کے مختلف مسلک ہیں کہ روح اور مادہ کس طرح بڑھے وغیرہ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ تمام انسانیت کا مرکز ایک ہے اور یہ تمام چیزیں اسی مرکز سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور مذکورہ بالا دونوں جماعتیں اس پر متفق ہیں۔

بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ وہ لوگوں میں اختلاف دکھلائیں کہ انسانیت میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ وہ جہاں دیکھتے ہیں کہ کسی حکیم نے مادہ سے مخلوقات کو پھیلانے کی صورت اختیار کی ہے اور یہ کہ اس باب میں وہ حکیم اپنے پیدا کرنے والے (اللہ) کا نام نہیں لیتا تو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں حکیم اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ یہ ان لوگوں کی کوتاہ نظری ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ان فلسفیوں کے مذہب کا اچھی طرح سے مطالعہ نہیں کیا۔ بہرحال تمام انسانیت اسی بات پر متفق ہے کہ تمام کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، تو اس واسطے اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بھی اسی کا نام لے کر پڑھ۔

آیت (۲) خلق الانسان من علق*:- اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ (اب انسانیت کی بحث شروع ہوگئی)۔ انسان جب تک انسانیت کو نہ سمجھے وہ ذرائع

---

* تعلیم کے بغیر تو انسان ایک علق ہے۔

حظیرۃ القدس میں سے علم ملتا ہے اس فرشتہ کو قلم اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اب قلم کو ہم یہاں عام طور پر لے لیتے ہیں کہ وہ زمین کا قلم ہو یا حظیرۃ القدس کا قلم ہو۔

ان آیات کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان ایک حیوان ہے اور وہ علم اجتماعی رکھتا ہے اور وہ علم میں ترقی کر سکتا ہے اور آلات کا استعمال کرتا ہے۔ منطق میں انسان کی دو تعریف بیان کرتے ہیں ایک تو حیوان ناطق اور دوسری تعریف ہے حیوان یستعمل الآلات یعنی اپنے تمام کاموں میں آلات کا استعمال کرتا ہے۔ ایک علم تو اس نے قلم کے ذریعہ حاصل کیا جس کو زمین کا قلم کہا جاتا ہے اور دوسرا علم اس کا قلم اعلیٰ سے حاصل ہوا، پھر اس کو قلم کے ذریعہ جہاں میں پھیلایا۔ خود بھی مستفید ہوا اور دوسرے کے افادہ کے لیے اس کو عام کر دیا۔ یہ خاصیت انسان کی ہے۔ قلم سے جو علوم اور تاریخ لکھی جاتی ہے اس میں بہت غلط باتیں لکھی جاتی ہیں۔ اس کے باعث ان علوم سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا اور بہت مشکلات درپیش آجاتی ہیں اور غلط در غلط تاویل سے انسان کا دماغ چکرا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے وہ تمام عقدے انسانیت کے لیے وحی کے ذریعہ دور کرتا ہے اور ترقی کے راستہ میں جتنے غلط نظریے یا نتائج اعمال، رکاوٹ ڈال رہے تھے الہام کے ذریعے وہ رکاوٹیں دور کر دی جاتی ہیں۔ آیندہ پروگرام اس کو غیر مبدل دیا جاتا ہے جس کو انسانی فطرت اپنا سمجھ کر قبول کر لیتی ہے اور ایسی نعمت الٰہی کا کوئی شخص منکر نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ایسی باتیں انسانی عقل سے بالا تھیں تو اس کو ایسا علم حظیرۃ القدس سے دیا گیا جس سے اس کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

الہام کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ قلم کے لکھے ہوئے علم میں خلط ملط سے جو عقدہ پڑ جاتا ہے اس کے حل کرنے کے لیے ہی الہام کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ مشکلات ایسی تھیں کہ عقل انسانی اس کے حل کرنے سے قاصر تھی الا بعد بہت تجربہ کے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور عنایت سے انسان کو سہل راستہ دکھایا (الہام سے)۔ اب یہ آخری الہام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا شروع ہوتا ہے ایسا محفوظ کر دیا جائے گا کہ اس میں غلط بات کا خلط ہرگز نہ ہو گا۔ اس لیے آئندہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس کے سمجھنے کے لیے عقل کفایت کرتی رہے گی۔

اب جب الہامی علم کی اتنی ضرورت محسوس ہوئی اور مطلق علم بھی انسانی ترقی کے لیے مفید اور سخت ضروری ہوا تو علم کی دشمنی کرنا کسی کے ذہن میں نہیں آتی اور مفید شیٔ کے لیے ہر ایک سخت کوشش کرتا ہے۔ مگر سرمایہ دار ہمیشہ چاہتا ہے کہ سوسائٹی کا اجماع میرا محتاج رہے اور ان کو میری غلط تدبیروں کا علم نہ ہو اس لیے علم کی اشاعت سے وہ لوگوں کو روکتا ہے۔ کبھی کوئی سرمایہ دار

اپنے زیردستوں کو علم سے مانوس نہیں ہونے دیتا۔ اب آئندہ آیات میں یہ بیان کیا جاتا ہے۔

آیت (۶ تا ۱۰) اب دوسری اصل شروع ہوتی ہے۔ اس میں انسانیت کی تقسیم دو حصوں میں کر دی جاتی ہے (تعریف کے بعد تقسیم ہوتی ہے)۔ ایک انسان ہے کہ وہ انسانیت کے حدود چھوڑ دیتا ہے۔ اور دوسرا انسان ہے کہ انسانیت کے حدود پر اور اس کے مقتضا پر پوری پوری طرح کاربند ہے۔ اور وہ علم جو مقتضی انسانیت میں سے تھا اس کی اشاعت کرتا ہے اور دوسرا اس کو روکتا ہے۔ چنانچہ اس کا سبب بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے اور صحیح علم جو صحیح تمدن کے لیے نہایت ضروری ہے، اس کی مخالفت کیوں کرتا ہے۔ اس کا سبب بتایا جاتا ہے۔

آیت (۶ و ۷) كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ* أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ :- اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے پاس جب روپیہ جمع ہوتا ہے وہ انسانیت کی حد سے نکلنے لگتا ہے۔ اور اپنی جماعت سے مستغنی ہو جاتا ہے اور اپنی حدود چھوڑنے لگ جاتا ہے۔

اس سے یہ اشارہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسان جماعت کے اندر رہے تو اس کی انسانیت ٹھیک رہتی ہے۔ بعض چیزوں میں وہ دوسروں کا محتاج ہے اور بعض میں دوسرے لوگ اس کے محتاج ہیں۔ اس طرح سوسائٹی میں برابری کا خیال محفوظ و ملحوظ رہتا ہے کہ لوگ اس کے محتاج ہیں اور یہ لوگوں کا محتاج ہے۔ اور جب اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں انسانی سوسائٹی میں لوگوں کا محتاج نہیں ہوں تو وہ اپنی حد سے بڑھنے لگا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون ایسا بنایا ہے کہ کوئی فرد اپنی نوع سے باہر جا ہی نہیں سکتا۔

کلا :- ہرگز نہیں یعنی یہ خیال کرنا کہ تمام انسان اعلیٰ علوم کی اشاعت اور انسانیت اور تمدن کے لیے علم کے برکات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ بعض انسان طاغی ہوتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انسانوں میں فہم اور علم پیدا ہونے نہیں دیتے اور اس کا سبب فقط استغنا ہے یعنی سرمایہ داری ہے۔ سرمایہ دار طبقہ مساکین پر ظلم جاری رکھنے کے لیے ان کو علم سے آشنا نہیں ہونے دیتے۔

* تعلیم سے روکنے والا طاغی انسان ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ غرباء غلامی کی زنجیر میں جکڑے رہیں۔ دوسروں کو اپنا محتاج بناتا ہے۔ یہ سرمایہ پرستوں کی عادت قبیح ہے۔ وہ جبری تعلیم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اِقْرَأْ امر ہے، فرض عین ہے۔ یہ تعلیم ہی ایسا نسخہ ہے جس سے غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور انسان ترقی کے راستے دیکھنے لگتا ہے۔ سرمایہ پرست انسان پڑھنے لکھنے سے لوگوں کو روکتا ہے تاکہ وہ غلامی میں رہیں۔

آیت (۸) **إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ**:- تیرے رب کی طرف رجوع ہونا ہے۔ یعنی ہر ایک محتاج ہے اور اس کا رخ حظیرۃ القدس کی طرف ہے۔ جہاں شخص اکبر موجود ہے۔ اور تجلی الٰہی بھی موجود ہے۔ یعنی ہر ایک انسان کو ہم نے اپنا محتاج بنا دیا ہے تو اس کا اثر یہ ہوا کہ ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے اور یہ احتیاج اس کی صورت نوعیہ کا تقاضا ہے۔ اور ہر ایک کو دوسرے کا مساوی احتیاج ہے اور مستغنی فقط اللہ تعالیٰ ہے، اسی سے سب مالک رہے ہیں تو انسان پر واجب تھا کہ وہ اپنی حقیقت پر غور کرتا اور جانتا کہ:-

آنانکہ غنی ترانند محتاج ترانند — واللہ ھوالغنی و انتم الفقراء

آیت (۹ و ۱۰) **أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ**:- اب اس سلسلہ میں انسانیت کے دوسرے فریق (طاغی) کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ حد سے گذرنے والے انسان کی مثال دی جاتی ہے اور اسی ضمن میں انسانیت کے دوسرے خلق کا ذکر آ جاتا ہے۔

ایک بندہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتا (نماز پڑھتا) شروع کرے تو اسے منع کرتا ہے۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو اس کا اتصال اپنے رب سے ہوا اس لیے وہ ضرور اس کے بندوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گا اور یقیناً مظلوم کی دادرسی کرنے میں سعی کرے گا، لوگ اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں کیوں کہ وہ محتاجوں اور مسکینوں کا مددگار ثابت ہوتا ہے اور ان محتاجوں، مسکینوں اور مظلوموں کو یقین ہے کہ یہ شخص ہم کو ظلم سے نجات دلائے گا اور وہ بندۂ نمازی ان کو تسلی دیتا اور بشارت دیتا ہے۔ مگر جو آدمی انسانیت کی حدود سے بڑھ جائے (ظالم ہو جائے) وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا، کیوں کہ اسے خطرہ ہے کہ اس طرح پر وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکے گا۔ وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس نمازی کے پاس چار آدمی جمع ہوں۔ لہٰذا وہ نمازی آدمی کو نماز پڑھنے سے بھی منع کرتا ہے کہ اس نماز کی بدولت لوگ ایسے ظالموں سے متنفر ہو جائیں گے۔ یعنی نماز میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے جس میں عدالت قائم کرنا اور عدالت کی فضیلت اور ظالموں، فاسقوں پر لعنت ملامت ہے اور اعمال صالحہ یعنی عدالت قائم کرنے والے مسکینوں اور محتاجوں کو، اور انصاف کرنے والوں اور محتاجوں کے کھانے کا انتظام کرنے والوں کے لیے بشارت اور ہمت افزائی ہے۔ تو در اصل وہ قرآن مجید پڑھنے سے منع کر رہا ہے اور قرآن مجید کی تعلیم کو روکتا ہے۔ کیوں کہ اس کو خوف ہے کہ اس سے لوگوں میں بیداری پیدا ہو جائے گی تو پھر وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکے گا۔

قرآن مجید کی تلاوت اور دَور کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز میں پڑھا جائے۔

صلواۃ اور قرآن مجید کی تلاوت آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ کبھی آپس میں جدا نہیں ہوتے۔

آیت (۱۱ و ۱۲) **ارءیت إن کان علی الھدیٰ او امر بالتقویٰ**:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندے کا ذکر ہے۔ ترجمہ آیت (۱۱):- اگر وہ آدمی سیدھے راستہ پر ہو تو کسی کو کیا حق ہے کہ اُسے منع کرے؟ اُس کو روکنا درحقیقت صریح ظلم ہے۔

آیت (۱۲) وہ لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے تو کیا اُس کو کوئی روک سکتا ہے؟ ہرگز کوئی نہیں روک سکتا۔ اُس کو روکنے کا مطلب تو یہی ہوگا کہ انسانیت پر ظلم ہوتا ہے۔

ان آیات (۹ تا ۱۰) تک اشارہ اس طرف ہے کہ اگر کوئی طاغی اور ظالم اُس کا مقابلہ کرے تو اولاً اُس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا ایک ذلیل بندہ سمجھے اور جو صحیح تعلیم ہے اُس پر کاربند رہے اور انصاف قائم کرنے میں کوشش کرے۔ پھر انسانیت کے اچھے افراد اُس کی جماعت میں شامل ہو کر اُس ظالم اور اُس کے ظلم کی بیخ کنی کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اُس کو خوب دیکھتا ہے اور وہ اس کو ترقی دیتا رہے گا۔ ہر بات میں آگے بڑھنا چاہیے یعنی جو صحیح تعلیم اُس نے شروع کی ہے اُس کی تکمیل کے لیے آگے بڑھنا چاہیے اور اس سبقت سے وہ میدان جیت لے گا۔

عام مفسرین نے یہ خیال بنا رکھا ہے کہ وہ طاغی، خدا کو یاد کرنے سے روکتا ہے اس لیے یہ ظلم ہے، حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔ اصل میں نمازی اپنی نماز میں قرآن شریف پڑھتا ہے اور قرآن مجید کی تعلیم کی اشاعت کرتا ہے اور قرآن مجید کا وعظ کرتا ہے جس میں انصاف کرنا انسانیت کے لیے ضروری بتایا جاتا ہے۔ اس لیے مسکین، محتاج اور مظلوم اُس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ظلم دور کرنے کے لیے اُس کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں تو سرمایہ دار سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس طرح ظالم برباد ہوتا ہے اور اُس کی سلطنت اور سرمایہ تمام ہاتھ سے جاتے ہیں۔ اس سے اُس پر زد پڑتی ہے۔ کیونکہ جب انصاف قائم ہو گیا تو اُس کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہے گی۔ انصاف قائم کرنا اور لوگوں پر سے ظلم دور کرنا قرآن مجید کی تعلیم کی روح و رواں ہے۔ اور خدا کو یاد کرنے والا آدمی لوگوں کو کہتا ہے کہ انسانیت سوائے انصاف قائم کرنے کے کبھی ترقی کر ہی نہیں سکتی۔ آیت (۱۳) **ارءیت ان کذب و تولی**: اور یہ ظالم اُس کو جھٹلاتا ہے اور انسانیت کو ترقی دینے سے روکتا ہے۔ یعنی ترقی کی طرف پشت کر رہا ہے اور رجعت پسندی اختیار کر رہا

ہے اور لوگوں کو بھی پیچھے لے جا رہا ہے۔ رات دن اس کی یہی کوشش ہے کہ اس دعوے کو (کہ انسانیت انصاف کے سوائے ترقی نہیں کر سکتی اور مظلوموں سے ظلم دور کرنا انسانیت کا فرض ہے) جھوٹا ثابت کرے۔ یہ معنی ہے کذّب کا۔ اور جب اس کے پاس کوئی برہان اور دلیل نہیں رہتی اور وہ عاجز ہو جاتا ہے تو لڑنے کی تیاری کرتا ہے یہ معنی ہے و تولّی کا۔

آیت (۱۴) **الم یعلم بان اللہ یریٰ**:- اس طاغی کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اس کے کام کو اور اس بندۂ نمازی کے کام کو خدا دیکھ رہا ہے۔ اور کیا یہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس انصاف قائم کرنے والے بندے کو کامیاب کر رہا ہے۔ کیا یہ طاغی اس کو نہیں سمجھتا؟

شروع سورۃ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بنایا اور اسے فطرت دی۔ اب اگر کوئی آدمی اس فطرت کے خلاف کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دے گا۔ کیا یہ اس کو نہیں جانتا؟ غرض اس سورۃ میں یہ بات معین کر دی گئی کہ انسانیت دو جماعتیں ہو کر کام کرتی ہے۔ آگے جنگ شروع ہوتی ہے۔

اب تیسری فصل شروع ہوتی ہے کہ اب جب کہ یہ نزاع شروع ہو گیا کہ وہ بات کو نہیں سنتے تو ان میں ہاتھا پائی ہونی ضروری ہے):-

آیت (۱۵ و ۱۶) **کلا لئن لم ینتہ لنسفعاً بالناصیۃ ○ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ**:- اگر یہ آدمی اپنی حرکت سے باز نہ آیا تو ہم اسے بالوں سے پکڑیں گے۔ کلا یعنی یہ خیال کرنا کہ یہ ایسا کرتا رہے گا اور یہ چونکہ سرمایہ دار ہے اس کو کوئی اپنے کام سے روک نہیں سکتا، یہ غلط ہے۔ بلکہ اگر یہ شخص اپنی غلط روی پر قائم رہا اور عدالت اور انصاف کرنے سے روکتا رہا تو اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر الٹا زمین پر مار دیا جائے گا۔ یعنی ان کو نہایت ذلیل کر دیا جائے گا۔ وہ پیشانی کے بال تو پاکیزہ لوگوں کی طرح رکھتا ہے مگر باطن میں بڑا شیطان، جھوٹا اور خطاکار ہے کہ وہ حق کا مقابلہ کرتا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں پیشانی کے بال مقدس سمجھے جاتے تھے جیسے سکھوں کے ہاں کیس اور ہندوؤں کے یہاں بودی رکھنی۔ اہل عرب بال رکھتے اور نہایت عزت سے ان کی پرورش کرتے اور پھر ان کو حج کے ایام میں مقام منیٰ میں منڈواتے تھے۔ اور یہ منڈوانا سر کٹانے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

قریش مکہ یعنی مخالفین اسلام کے بہت سے آدمی بدر کی جنگ میں مارے گئے اور انہیں ان کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کنویں میں ڈال دیا گیا۔

آیت (۱۷) فلیدع نادیہ* :- وہ اپنی مجلس کے ہم نشینوں کو اپنی مدد کے لیے بلائے جو اُس کے شریک کار ہیں۔

آیت (۱۸) سندع الزبانیۃ† :- اور اگر اُس کے ہم مجلس آدمی کسی نیک آدمی کو کسی اچھے کام سے روک دیں تو اُن کے واسطے ہم جہنم کے پیادے بھیج دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تمام قوت خرچ کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آجائیں تو بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا نہیں سمجھنا چاہیے۔ حق کی اطاعت کرنے والی روحیں اُن کے ساتھ ہیں۔ اب اگر وہ ہاتھا پائی (جنگ دست بدستی) کریں گے تو شکست کھائیں گے۔

اب تیسری فصل شروع ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ تو طاغی کی اطاعت نہ کر۔ وہ تیری اطاعت کرے اور تیرے آگے ذلیل ہو کر تابع ہو جائے۔ ایسی کوشش کرو اور ایسی تعلیم عام کرو کہ مجبوراً اُس طاغی کو تیری اطاعت کرنی پڑے۔

آیت (۱۹) کلا لا تطع :- اطاعت نہ کر، یعنی اُن لوگوں سے صلح نہ کر۔ کفار صرف یہ چاہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، کفار کے ظلم کرنے اور اُن کی بت پرستی کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ کسی خاص کا نام لے کر ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ عام طور سے مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اور اس میں قریش مکہ اور اُن کے آباء و اجداد تمام شریک تھے۔ اس واسطے وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظلم اور شرک کو برا کہیں۔ صلح کے معنی یہ ہیں کہ ایک فریق اپنے دعویٰ کا کچھ حصہ چھوڑ دے، تو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ کا کچھ حصہ چھوڑ دیتے تو تمام تعلیم برباد ہو جاتی لیکن آپ اپنے دعویٰ پر بڑی پختگی سے قائم رہے۔ اسی سبب سے کامیابی ہوئی۔

واسجد واقترب :- اور سجدہ کر اور قرب حاصل کر۔ سجدہ کے معنی ہیں خدا کی پوری اطاعت اور قرب سے مطلب ہے کہ حظیرۃ القدس کے جو مقدس درجے ہیں اُن میں پہنچنا۔ مثلاً حکم دیا گیا ہے کہ کافروں کی اطاعت نہ کرو اور اُن سے صلح نہ کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حکم دیا جاتا ہے، اس کی پوری اطاعت کرو۔ یہ نہیں کہ کسی معاملہ میں کفار سے صلح کر لی اور کسی میں جھکے ہو رہے، بلکہ

---

* نادی = شراب کی مجلس میں بیٹھنے والا۔

† یہ اشارہ جنگ بدر کی طرف ہے۔ زبانیہ، انصار و مہاجر کی ایسی جماعت تھی (جیسے بلال رض وغیرہ) جس کو قریش سے نہ کوئی تعلق رحمی تھا اور نہ تعلق احسانی تھا۔ وہ اپنے معبود برحق اور محبوب الٰہی کی محبت میں سرشار تھے۔ جنگ میں کفار کو بے تحاشا مار کر ڈھیر کر دیا اور طاغی کے معاونین سب بھاگ گئے۔ وللہ الحمد۔

آپ سے صلح کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے اور سجدہ کے معنی ہیں کہ اِس حکم کی پوری اطاعت کرو اور اس حکم کے آگے سر بسجود ہو جاؤ۔ جیسے کہ بادشاہ حکم دیتا ہے اور اُس حکم کی اطاعت کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ اُس دم بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظالموں سے کسی قسم کی مصالحت نہیں کی۔ حتیٰ کہ قیصر و کسریٰ جو ظالم حکومتیں تھیں اُن کو بھی دھمکایا۔ اُن کے ساتھ برسرِ پیکار ہوئے۔ اور آپ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے انقلاب کامیاب بنا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا درجہ اِس قدر بلند ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کلام کیا ہے وہ کلام الٰہی مانا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو کام آپ نے کیا ہے اُس کو بھی لوگ فرشتوں کے کام کی طرح مانتے ہیں اور یہ نتیجہ محض اِس امر کا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پوری اطاعت کی۔

غرض سورۃ فاتحہ دعویٰ ہے اور یہ سورۃ اُس کا نتیجہ ہے۔ اُس میں بین الاقوامیت زیادہ ہے اور اِس میں قومیت زیادہ ہے۔ اس دعویٰ کے موقع پر وہ سورۃ پیش کی گئی ہے جو بین الاقوامیت کے مساوی ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں قومی انقلاب مکمل کر دیا اور اس کے نتیجہ میں یہ سورت نازل کر دی گئی ہے۔

واسجد واقترب :- ایک ضروری خطرہ دور کرنا ہے، وہ یہ کہ ظالم طاغی کہیں گے کہ یہ جو اپنے آپ کو خیرخواہ اور مصلح اور خیرخواہ خلق بنا رہا ہے اور لوگوں کو عام تعلیم دے رہا ہے اور لوگوں کو ہم سے متنفر کر رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خود امیر بننے کا ارادہ رکھتا ہے اور جب لوگ اس کے پاس جمع ہو جائیں گے تو یہ بھی لوگوں پر ظلم کرے گا۔ کیوں کہ جب بہت لشکر اُس کے پاس جمع ہو جائے گا تو اُس کے اخراجات کے واسطے وہ مسکین لوگوں پر ظلم کرے گا۔ تو یہ ہم سے حکومت و ریاست چھین کر اپنے ہاتھ رکھنا چاہتا ہے اور یہ بات تاریخ میں عام طور پر ثابت ہے کہ ایک شخص مظلوموں سے ہمدردی کرنے کے واسطے کھڑا ہوتا ہے اور جب کامیاب ہوتا ہے تو اُسی طرح ظلم کرنے لگ جاتا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کیا جاتا ہے کہ ایک تو کسی ظالم کی اطاعت نہ کر بلکہ وہ تیری اطاعت کرے۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا کر اور اُس کا قرب حاصل کر۔ جب شاہنشاہ کا قرب حاصل ہوا، اور اُس کے دربار میں ہر وقت حاضر رہتا ہوا تو اُس کی رعیت پر کبھی ظلم کا خیال تک نہیں آئے گا۔ مقرب بارگاہ الٰہی کبھی کسی پر نہ ظلم کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو ظلم کرنے دیتے ہیں۔ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کے قرب حاصل کرنے سے انسان طاغی بن جاتا ہے۔ جب

آدمی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے درپے ہوگا تو ممکن نہیں کہ اُس سے ظلم ہو سکے۔ یا لوگ اُس کے حق میں ایسا خیال کر سکیں۔ یہ سورت قومی تعلیم و تربیت کے لیے ہے۔ عربی قوم میں کیا کیا نقص ہیں اُن کو رفع کرنا مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارک میں عرب کی تکمیل کر دی۔ اور اِس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان میں ایسی روح پیدا ہونی چاہیے کہ جو علم حاصل کرے اور دوسروں کا مظلوم ہو کر نہ رہے اور خود بھی ظالم نہ بنے۔ اس مرض کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ الہامی علوم کی انسانوں میں وقعت پیدا کر دینی چاہیے ور ظالم طاغی کی کوئی بات نہ ماننی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا اور سجدہ کرنا وہ اپنے اوپر ضروری سمجھے اور قرب الٰہی کو ڈھونڈے۔ کیوں کہ جب وہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہے تو اُسے گناہ کا خیال تک نہیں آتا۔

یہ سورت پہلی سورت ہے جس میں لڑائی کا حکم دیا گیا ہے۔ فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃ: یہ تو صریح ہے اور لا تطع میں قطع تعلقات اور الٹیمیٹم ہے۔ اس سے لڑائی ضرور چھڑ جاتی ہے۔

